

مولانا حذیفہ دستاوی \*

## دارالاسلام و دارالکفر اور عصر حاضر میں اس کی تطبیق

دور نبوی علی صاحبہا الف الف تحیہ و سلاماً جو دہ ارض کا سب سے مسعود ترین دور اور عہد گدرا ہے، اس لیے کہ اسی دور میں خاتم الانبیاء والمرسلین سید ولد آدم محمد ربی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر موجود تھے، اُم الکتاب قرآن کریم کا نزول بھی اسی دور میں ہوا، لہذا اس دور کو یہ حق بنتا ہے کہ سید الادوار، سید العہود دکھا جائے، اس دور کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسلام جیسا آسمانی مذہب اور دین اسی دور میں مکمل اور تام ہوا، اور قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کے حل کے خطوط و نشانات دے کر گیا، ہم اس پر اللہ کی جتنی بھی تعریف کریں کم ہے، اللہ ہمیں اسلام کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جہاں دور حاضر میں بہت سے نئے مسائل پیش آئے اور آرہے ہیں وہیں ایک مسئلہ ”دارالاسلام اور دارالکفر“ کی تعیین کا بھی ہے، اس لیے کہ بہت سے احکام کا تعین اس تعیین پر موقوف ہے۔ کیوں کہ اب حالات عجیب طرح کے ہو گئے ہیں، حکومتیں ایک طرف ”آزادی“ ”مساوات“ ”جمہوریت“ کے گیت گاتے نہیں چلتیں اور دوسری جانب ہر طرف مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جا رہا ہے، اور اس باب میں غیر تو غیر، مسلمان حکمرانوں کا بھی یہی حال ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں ”دارالاسلام اور دارالکفر“ کا تطابق کیسے ہو؟ تو آئیے اہم اس مضمون میں اس کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

دار کی تعریف: دار اس ملک کو کہتے ہیں، جو تین چیزوں کو شامل ہو:

(۱) اقلیم (Country): یعنی محدود جغرافیائی مقام۔

(۲) سکان (Population): یعنی اس علاقہ کے آباد لوگ۔

(۳) سلطنت (Kingdom): وہ قیادت جو اس منطقہ میں قائم ہو، امام ابن العابدین تحریر فرماتے

ہیں: المراد بالدار الاقلیم المختص بقہر ملک اسلام و کفر۔ عمار بن عامر، اس کی شرح میں تحریر فرماتے

ہیں: يظهر من التعريف انه شرط في الدار - الاقليم والسكان و السلطة

(الهجرة إلى بلاد غير المسلمين: ص ۷۹)

دار کی تقسیم: نفاذ قوانین کے اعتبار سے حکومت کی دو قسمیں ہیں: (۱) دارالاسلام (۲) دارالکفر

پھر دارالاسلام کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) دارالاسلام حقیقی (۲) دارالاسلام حکمی

دارالاسلام حقیقی کی تعریف:

اس ملک کو کہتے ہیں جہاں دستوری طور پر اسلامی قوانین اور اسلامی احکام نافذ ہوں، اور اس ملک کے قائدین و حکام مسلمان ہوں۔ امام ابن القیم الجوزی فرماتے ہیں: دارالاسلام ہی التي نزلها المسلمون و جرت عنياها احكام الاسلام۔ (احکام اہل الذمہ: ج ۲/ ص ۷۲۸) اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں: تعبر الدار دار الاسلام بظهور احكام الاسلام فيها و ان كان جل اهلها من الكفار۔ (المبسوط: ج ۱۰/ ص ۱۴۴)

دارالاسلام حکمی: اس ملک کو کہتے ہیں جہاں مسلمانوں کو اپنے بعض شعائر پر عمل کی اجازت ہو، مثلاً: نماز، اذان، جمعہ وغیرہ، اگرچہ وہاں عالمی وضعی (خود ساختہ) یعنی انسان کے بنائے ہوئے نہ کہ اللہ کے نازل کردہ) قانون نافذ ہو، البتہ وہاں کے قائدین اور حکومتی کارندے مسلمان ہوں۔ اس وقت تمام اسلامی ممالک اسی حکم میں ہیں، کوئی ملک حقیقی دارالاسلام کا مصداق و مجاز نہیں ہے۔ ابن العابدین تحریر فرماتے ہیں: لو اجريت احكام المسلمين في بلد و احكام اهل الشرك فلا تكون دار حرب ما دامت تحت سلطة ولائنا۔ (شامی: ج ۴/ ص ۱۷۵)

ان دار الفسق ہی دار الاسلام۔ (نیل الاوطار: ج ۸/ ص ۲۷)

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ جب اسلامی قوانین کا نفاذ، ان ممالک میں نہیں ہے، تو پھر ان ممالک کو دار الاسلام کیوں کہا جاتا ہے؟ تو اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس میں حرج لازم آتا ہے، کیوں کہ اگر باوجود کثرت و اغلیت مسلمین کے، اس کو ”دار الکفر“ کہا جائے، تو یہ خرابی لازم آئے گی، کہ دشمن آسانی سے اسلامی ممالک پر قابض ہو جائے گا، کیوں کہ ”دار الکفر“ ہونے کی وجہ سے، مسلمانوں کے لیے اگر کوئی باطل طاقت حملہ آور ہو، تو دفاع لازم نہ ہوگا، اور یوں ایک ایک کر کے، تمام اسلامی ریاستیں دشمنوں کے ہاتھ چلی جائے گی۔ ہاں البتہ اس کو ”دار الاسلام الفاسقہ“ کہا جائے، تو کوئی حرج نہیں، یا صرف ”دار الفسق“ کہا جائے، لو اعتبرنا هذه الديار من دار الکفر او الحرب فهذا يعنى ان المسلمين على كثرتهم سيهدون من غير اوطان و لا ديار و في هذا تمكين لاعداء الله منا اضافة الى انه لا يجب على المسلمين الدفاع عنها في حال الاعتداء عليها من الكفار۔ (فقہ الاقليات: ص ۹۷)

دارالکفر کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) دارالکفر حقیقی۔ (۲) دارالکفر حکمی۔

### دارالکفر حقیقی:

اس ملک کو کہا جاتا ہے، جہاں پر زمام حکومت غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو، اور وہاں کا دستور اساسی بھی انہیں کا ہو، اور مسلمانوں کو شعائر اسلام بجالانے کا قطعاً حق نہ ہو، بلکہ حکومت مسلمانوں کو ہلاک کرنے اور نقصان پہنچانے کے درپے ہو، مثلاً: ریشیا جو ۱۹۹۲ء سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کا کٹر دشمن رہا، اور اس وقت اسرائیل۔

### دارالکفر حکمی:

و هي التي قصدھا الفقهاء في تعريفهم لدار الكفر و هي التي تظهر فيها احكام الكفر و يحكمھا الكفار و انعدمت فيها مظاهر الدين تماماً بحيث لم يعد لها وجود متميز و لا يوجد فيها مسلمون يؤدون واجباتهم الدينية۔ (تقسيم العالم: ص ۲۵)

### دارالکفر حکمی:

اس مملکت کو کہا جاتا ہے، جہاں حکومت تو غیر مسلموں کی ہو، دستور بھی ان کا ہو، مگر مسلمانوں کو اپنے شعائر کے بجالانے کی اجازت ہو، مثلاً: بعض یورپی ممالک، بعض ایشیائی ممالک، بعض افریقی ممالک، جہاں مذکورہ صورت حال ہو، اس کو دارالاسلم اور دارالعہد بھی کہا جاتا ہے۔ و العلة في الذهاب الى الحبشة ان هناك ملكا لا يظلم عنده احد و كان العدل في ذاته و ساماً لذلك الملك و سماها المسلمون دار امن و ان لم تكن دار ايمان۔ (تفسير الشعراوي: ۴/ ۲۵۸)

دار کی ایک تقسیم وجود امن اور عدم امن کے اعتبار سے بھی ہے، جس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں، حالت جنگ اور حالت امن کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں:

### (۱) دارالحرب:

جہاں حکومت مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہو، ان کے مال ان کے املاک، اور ان کی جان کو ختم کرنے یا نقصان پہنچانے کے درپے ہو، اور وہاں اسلامی دعوت کو ممنوع قرار دیا گیا ہو، اس کو ملک کو ”دارالحرب“ کہا جائے گا، اور اس کو ”دارالکفر، دارالشُرک، دارالمخالفین“ بھی کہا جاسکتا ہے۔

### (۲) دارالامن والعہد:

جہاں حکومت تو اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہو، مگر وہ مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر چکی ہو، تو پھر اسے ”دارالامن یا دارالکفر الآمنہ یا دارالعہد یا دارالکفر المعہودۃ“ کہا جائے گا۔

بعض حضرات ”دارحاذ“ بھی ایک قسم قرار دیتے ہیں، ”دارحاذ“ اس ملک کو کہتے ہیں، جو مسلمانوں کے

ساتھ مصالحت کرے، کہ نہ وہ ان سے قتال کریں گے۔ نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کا تعاون کریں گے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہبہ زحلی نے یہ قسم الگ شامی ہے۔ (العلاقات الدولية في الاسلام: ص ۸۴، آثار الحرب: ص ۱۹۷) یہ تھا مختصر اُدار کا بیان، اخیر میں ہم اللہ سے دست بدعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو کوئی دارالاسلام عطا فرمائے، یا قیام خلافت کی کوئی سبیل اللہ رب العزت ہمارے نکالے۔ آمین یا رب العالمین!

یہاں ایک وضاحت کر دینا مناسب ہوگا کہ دارالاسلام اور دارالکفر قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور نہیں، لہذا ”دار“ کی یہ تقسیم توقیفی نہیں، یعنی منصوص نہیں ہے، بل کہ مجتہد فیہ، لہذا اس میں اختلاف کی گنجائش ہے، جیسے فقہاء متقدمین تقسیم ثنائی کے قائل تھے، اور ان میں بھی امام شافعیؒ ملائی کے قائل تھے، یعنی انکے یہاں دار کی تین قسمیں ہیں: (۱) دارالاسلام (۲) دارالکفر اور (۳) المعهد یا دارالهدنة یا دارالصلح، جیسا کہ امام نوویؒ نے روضۃ الطالبین ج: ۵/۳۳۲۔۔ پر ذکر کیا ہے، جیسے جیسے زمانہ کے احوال بدلتے گئے، اس کی تقسیم میں بھی اضافہ یا رد و بدل ہوتا گیا، مثلاً: امام ابن تیمیہ نے ایک اور قسم ”دارالفسق“ کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ ان کی کتاب مجموع الفتاوی ج: ۱۸ ص: ۲۸۲۔۔ پر اس کا ذکر ملتا ہے، دورِ حاضر میں حالات کے بدلنے سے فقہاء نے ”دارحیاد“ کی اصطلاح وضع کی، جیسا کہ ابوہریرہؓ اور علامہ وہبہ زحلی کے حوالے سے اوپر ذکر کیا گیا۔ غرضیکہ ”دار“ کے منصوص نہ ہونے کی وجہ سے ابھی اس میں اجتہاد و مزید تقسیم کی گنجائش ہے، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں، کہ ہر کوئی تقسیم کیلئے قلم ٹوڑنا شروع کر دے، جو لوگ علوم شرعیہ، قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور قواعد فقہ وغیرہ پر کڑی اور گہری نظر رکھتے ہوں، وہی یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

اب اختتام پر ایک تنبیہ بھی ضروری ہے، کہ بعض لوگوں نے دار کی اس تقسیم کو سرے سے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، یہ بھی درست نہیں، اُن کا کہنا یہ ہے کہ یہ فقہاء کی اصطلاحات ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں، تب تو مسائل کھڑے ہو جائیں گے، اس لیے کہ واجب، فرض، مستحب، مکروہ، مباح وغیرہ بھی ہمارے فقہاء کرام ہی کی وضع کردہ اصطلاحات ہیں، اس کا مطلب تم اس کی تردید کرو گے؟ فقہاء نے دراصل جو اصطلاحات وضع کیں، وہ ان کے اپنے فائدے کے لیے تو نہ تھیں، وہ امت کو سمجھانے کے لیے اور مسائل میں فرق مراتب کے لیے تھیں، تاکہ امت کو سہولت ہو جائے، کہ کونسا عمل کس حد تک مطلوب و مقصود ہے، لہذا ہمارے ان فقہاء کا ہمیں احسان مند ہونا چاہیے، جنہوں نے ہمیں شریعت کی روٹی کچی پکائی کھلا دے۔

اللہ ہمارے ان تمام فقہاء کی قبروں کو نور سے بھر دے، اور ہمیں ان کے خون پینے سے تیار کردہ، فقہ کی قدردانی کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین یا رب العالمین!